خودکش دہشت گردی ــــ پس منظر، محرکات، سدباب

ایہود سپرنزاک*

ترجمہ: راشد بخاری

جدید دہشت گردی کی تاریخ میں ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۲ء ایک خوفناک ترین دن تھا۔ اس دن بیروت (لبنان) میں تعینات امریکی اور فرانسیسی امن فوج کی بیرکوں میں ہونے والے دو بم دھماکوں سے ۲۴۱ امریکی اور ۵۸ فرانسیسی فوجی اہلکار مارے گئے تھے۔ یہ دونوں خودکش دھماکے مسلمان انتہاپسندوں نے کیے تھے۔ لبنان اور کویت میں اسرائیلی اور امریکی اہداف پر اس طرح کے حملے جدید دہشت گردی میں ایک نئے دور کا پتہ دیتے ہیں جس میں ایک خودکش حملے کی کامیابی حملہ آور کی موت پر منحصر ہوتی ہے۔

اس طریقہ کار نے سلامتی کے ماہرین کو بدحواس کر دیا۔ دو صدیوں کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ دہشت گرد اگرچہ اپنی زندگی کی پرواہ نہیں کرتے تھے لیکن وہ دہشت گردی کے ارتکاب کے بعد زندہ رہنے کی خواہش ضرور رکھتے تھے تاکہ تکمیل مقصد کے ثمرات سمیٹ سکیں۔ لیکن اس نئی دہشت گردی نے اس نظریے کو متزلزل کر دیا ہے۔ یہ تکنیک معیاری اعتبار سے مختلف، مافوق الفطرت اور انتہائی تباہ کن نظر آتی ہے جس کا توڑ ناممکن ہے۔ صرف چھ ماہ کے اندر اندر فرانسیسی اور امریکی صدور نے اپنے فوجی دستے لبنان سے واپس بلا لیے جو اس بات کا مسلمہ اعتراف تھا کہ اس جدید دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے تمام جوابی حربے بے سود ہو چکے ہیں۔ ''ٹائم'' میگزین نے ۱۹۸۳ء میں لکھا: ''کوئی سلامتی کا ماہر ایسے دفاعی حربوں کے بارے میں نہیں سوچتا جن سے ایک پرعزم اسلامی دہشت گرد کو روکا جا سکے۔ ایسے اسلامی دہشت گرد کو جو چند امریکیوں کو مار کر اللہ سے ملاقات کی توقع کرتا ہے''۔

جہاں پریس نے ان دہشت گردوں کو ''نامعقول جنونی'' قرار دینے میں دیر نہیں لگائی وہیں دہشت

*Ehud Sprinzak, "Rational Fanatics", *Foreign Policy*, Sep/Oct. 2000, pp. 66-73.

گردی کے ماہرین نے اس کی تشخیص کرتے ہوئے بڑی نازک توجیہات پیش کیں۔ ان کے خیال میں خودکش دہشت گردی کو روایتی دہشت گردی پر ناگزیر برتری حاصل ہے، یہ ایک سادہ اور کم خرچ طریقہ کار ہے جس میں فرار کے پیچیدہ راستے تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، چونکہ خودکش دہشت گرد اپنے حملے کے لیے درست وقت، جگہ اور صورتِ حال کا انتخاب کر سکتا ہے اس لیے اس میں اس کے لیے کثیر ہلاکتوں اور بھاری نقصان کی ضمانت ہوتی ہے، انہیں یہ کوئی خوف نہیں ہوتا کہ ان سے اہم معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں (کیونکہ ان کی موت یقینی ہوتی ہے) اور پھر یہ کہ عوام اور میڈیا پر اس کے نہایت گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ فلسطینی اسلامی جہاد کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر رمضان شلاح نے دہشت گردی کی اس نئی حکمت عملی کی یہ منطق پیش کی کہ ''ہمارا دشمن جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہے اور اس کی فوج نہایت اعلیٰ معیار پر تربیت یافتہ ہے--- ہمارے پاس شہادت کے ہتھیار کے علاوہ ان کی قتل و غارت گری کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ نہیں۔ یہ آسان ہے اور اس کی قیمت صرف ہماری جان کی قربانی ہے ---انسانی بموں کو شکست نہیں دی جا سکتی، ایٹم بم سے بھی نہیں''۔

دو دہائیوں کی خودکش دہشت گردی نے اس کی ہولناک اثر انگیزی کو ثابت کر دیا ہے۔ اس نے دہشت گردی کی کئی مہمات کا مہلک ترین حصہ تشکیل دیا ہے جیسے ۱۹۸۰ء کے وسط میں لبنان پر اسرائیلی جارحیت کے خلاف کامیاب حملے، ۹۶-۱۹۹۴ء میں اسرائیل اور فلسطین کے درمیان امن کے عمل کو روکنے کے لیے حماس کے بسوں میں بم دھماکے، اور ۹۹ - ۱۹۹۵ء میں کردستان ورکرز پارٹی (PKK) کی ترکی کے خلاف جہد وجہد۔ سری لنکا میں تامل ٹائیگرز (LTTE) نے خصوصی خودکش دستے تشکیل دیے ہیں جو اس تباہ حال جزیرے میں جاری سول جنگ کا نہایت سنگ دلانہ پہلو ہے۔ ۱۹۸۷ء سے اب تک ان دستوں نے سینکڑوں شہریوں، فوجیوں اور اعلیٰ افسران کو ہلاک کرنے کے علاوہ دو سربراہانِ مملکت کو بھی قتل کیا ہے۔ ۱۹۹۱ء میں بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی کو اور ۱۹۹۳ء میں سری لنکا کے صدر رانا سنگھا پریماداسا کو۔ سری لنکا کی موجودہ صدر چندریکا کمارا ٹنگا بھی ایسے ہی ایک حملے میں اپنی ایک آنکھ کی نظر کھو چکی ہیں۔ اس حملے میں ۲۴ افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ ۱۹۹۸ء میں کینیا اور تنزانیہ میں امریکی ایمبیسیوں میں بیک وقت ہونے والے بم دھماکے بھی، جن میں ۳۰۰ شہری اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، ۱۹۸۲ء میں

لبنان کے المیے کا ظالمانہ تسلسل ہیں۔

اپنے ظہور کے بیس برس بعد بھی خودکش دہشت گردی کا تصور ایک حتمی اور فیصلہ کن ہتھیار کے طور پر قائم ہے۔ لیکن کیا اسے روکنا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا نظر آتا ہے؟ دو دہائیوں کے تجربے سے خودکش بمباروں کی حقیقی فطرت کو سمجھنے کے لیے کئی اہم نکات سامنے آئے ہیں۔ ان نکات سے ان کے ارادوں اور حکمت عملیوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، ان کی کمزوریاں سامنے آتی ہیں اور انہیں ناکام کرنے کے راستے سجھائی دیتے ہیں۔

شہادت کے محرکات

تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خودکش دہشت گردی ''ٹرک بموں'' کی اصطلاح عام ہونے سے بھی بہت پہلے سے موجود ہے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں شمالی فارس کے ان مسلمان مجاہدین نے جنہیں فدائی* کہا جاتا تھا، اسلام کے مقصد کے لیے خودکش دہشت گردی کو بطور عسکری حکمتِ عملی اختیار کیا۔ اٹھارہویں صدی میں بھارت کے مالا بار ساحل کی مسلم آبادیوں، سماٹرا کے اچے** (Atjeh) اور جنوبی فلپائن کے منڈاناؤ اور سولو ایسے علاقے تھے جہاں کے لوگوں نے یورپی نوآبادیاتی جبر کے خلاف خودکش حملوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ان لوگوں نے اپنی اموات کو کبھی بھی خودکشی نہیں سمجھا بلکہ انہیں اپنی قوم کے لیے یا خدا کی عظمت کے لیے شہادت کا درجہ دیا۔

مزید یہ کہ خودکش دہشت گردی، قدیم ہو یا جدید، محض اسلامی یا کسی اور مذہبی جذبے کی پیداوار نہیں ہے۔ دہشت گردی پر تحقیق کرنے والی ایک نمایاں سکالر مارتھا کرنشا کا خیال ہے کہ خودکش بمبار تبت کے خودکشی کرنے والوں، آئرش کے سیاسی قیدیوں جو بھوک ہڑتال سے مرنے کے لیے تیار رہتے ہیں یا دنیا بھر میں ان دہشت گردوں سے مختلف نہیں ہیں جو دہشت گردی کی ہر واردات کے بعد جینا تو چاہتے ہیں مگر جانتے ہیں کہ ان کی زندگی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو خودکش

---

*فرقہ باطنیہ سے رکن

**اچے یا اچیہ: سماٹرا سے جزیرے کا سب سے شمالی حصہ۔ یہاں ایک زمانے میں اچے کی بااختیار اسلامی سلطنت عروج پر تھی مگر آج کل جمہوریہ انڈونیشیا کا ایک صوبہ ہے۔

دہشت گردی اپنی ہیبت ناک انفرادیت کھودیتی ہے۔ یہ محض کسی مخصوص تہذیب یا مذہبی روایت کی پسندیدہ شہادت ہے جسے وہ لوگ مسترد کرتے ہیں جن کے نزدیک عظیم قربانی کے معیار مختلف ہوں۔

شہادت کے محرکات ثقافت ہی نہیں بلکہ مخصوص حالات کی بنا پر بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ تل ابیب یونیورسٹی کی ایریل مراری نے خودکش دہشت گردی کا ارتکاب کرنے والے ۵۰ افراد کا ایک جامع مطالعہ کرکے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان میں کوئی ایک قطعی یکسانیت موجود نہیں۔ ان کے خیال میں جدوجہد کی شدت کئی طرح کے لوگوں میں [جو ایک دوسرے سے مختلف بھی ہو سکتے ہیں] کسی مقصد کے لیے جان قربان کر دینے پر آمادگی پیدا کر دیتی ہے۔ مزید براں مراری کے خیال میں کوئی بھی تنظیم کسی فرد میں مرنے پر بنیادی آمادگی پیدا نہیں کر سکتی۔ تنظیموں کے قائدین ایسے (مرنے پر تیار) رضا کار پیدا نہیں کرتے بلکہ اپنے کارکنان میں سے ایسے افراد کو شناخت کرتے ہیں اور ان کے اندر اس جذبے کو تحریک دیتے ہیں۔ یہ قائدین اپنی تنظیم کے کارکنان کے مذہبی جذبات اور عقائد سے فائدہ اٹھا کر انہیں جنت کے انعام کا یقین دلاتے ہیں اور اس طرح ان میں پہلے سے موجود قربانی کے جذبات کو مضبوط اور شدید تر کر دیتے ہیں، لیکن شہادت کے لیے ان کے رجحانات میں اضافے کے دیگر طاقتور محرکات بھی موجود ہیں مثلاً حب الوطنی، دشمن سے نفرت اور مظلومیت کا شدید احساس۔

چونکہ خودکش دہشت گردی ایک اجتماعی اور تنظیمی مظہر ہے اس لیے اس کے خلاف جدوجہد بھی انفرادی سطح پر نہیں کی جا سکتی۔ اگرچہ خودکش بمباروں کے شخصی اور سوانحی خاکے ترتیب دینا، (تاکہ اس رجحان کو سمجھا جا سکے) بھی ایک پرکشش علمی چیلنج ہے تاہم حقیقی دنیا میں ان کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے اس سے زیادہ مؤثر یہ ہے کہ ان کے طریقہ کار اور دہشت گرد قائدین کے ذہن کو سمجھا جائے جو خود کو ہلاک کرنے کا تصور نہیں کرتے بلکہ ایک سرد منطقی نتیجہ کے طور پر خودکش دہشت گردی کو اختیار کرتے ہیں۔

خودکش دہشت گرد ــــ تیاری، نگہداشت، جواز

ایک خودکش دہشت گرد طویل تنظیمی زنجیر کی بہت سی کڑیوں کا آخری سرا ہوتا ہے۔ جب کسی خودکش حملے کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے تو اس پر عمل درآمد کے کم از کم چھ مرحلے ہیں: ہدف کا تعین، اطلاعات و معلومات کا حصول، خودکش دہشت گرد کا انتخاب، اس کی جسمانی اور ''روحانی'' تربیت، دھماکہ خیز مواد کی تیاری، اور

خودکش بمبار کو ہدف تک پہنچانا۔ اس مشن میں درجنوں دہشت گرد کام کرتے ہیں جو سب کے سب خودکشی کا ارادہ نہیں رکھتے مگر جن کے بغیر خودکش حملے کا ارتکاب بھی نہیں ہو سکتا۔

اگر ان تمام تنظیموں کا ایک محتاط جائزہ لیا جائے جنہوں نے ۱۹۸۲ء سے خودکش دہشت گردی کا ارتکاب کیا ہے تو ان کے درمیان سب سے معنی خیز فرق یہ ہے کہ ان تنظیموں نے کس درجہ تک خودکش دہشت گردی کو تنظیمی اسلوب میں ڈھال لیا ہے۔ سب سے سادہ ترین سطح پر وہ لوگ ہیں جو نہ تو اس عمل کو باقاعدہ بنیاد پر اختیار کرتے ہیں اور نہ ہی اسے ایک حکمت عملی کے طور پر اختیار کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ تاہم یہ ممکن ہے اس کے مقامی ارکان یا وابستگان اپنے طور پر اس عمل کو اختیار کرلیں جس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں مثلاً دوسروں کی نقالی، کسی شدید زیادتی کا بدلہ لینے کا جذبہ، ساتھیوں اور رشتہ داروں کے قتل کا انتقام یا پھر حملہ کرنے کے لیے کوئی خاص حالات یا مواقع پیدا ہو جانا۔ ۱۹۹۰ء میں حماس اور فلسطینی اسلامی جہاد کے اسرائیل میں خودکش حملے شروع ہونے سے پہلے ۱۹۸۰ء کے اواخر میں چاقو زنی کی کارروائیاں شروع ہوئی تھیں اور ان میں کوئی معلوم تنظیم ملوث نہیں تھی۔ لیکن ان سے اسرائیل کے خلاف نوجوان فلسطینی مجاہدوں کے غم وغصہ کا اظہار ہوتا تھا جس سے اگلے عشرے میں خودکش دہشت گردی نے تنظیمی اسلوب اختیار کرلیا۔

اکثر دہشت گرد گروہ اس طرح کی دہشت گردی کے بارے میں شکوک وشبہات رکھتے ہیں لیکن غیر معمولی حالات میں وہ اسے اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً کینیا اور تنزانیہ میں امریکی ایمبیسیوں میں ہونے والے بم دھماکے جو مبینہ طور پر اسامہ بن لادن کی تنظیم القائدہ نے کیے۔ اسی طرح مصری اسلامی گروپ، مصری اسلامی جہاد، جاپانی اوم، اور الجزائر کے مسلح اسلامی گروہ کے بے قاعدہ حملے اسی زمرے میں آتے ہیں۔ اس خودکش دہشت گردی کی منصوبہ بندی اگرچہ احتیاط سے کی جاتی ہے، مگر یہ باقاعدہ اور تنظیمی نظام کے تحت نہیں ہوتی۔ دوسرے وہ گروہ ہیں جو اسے عارضی حکمت عملی کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔

ان گروہوں کے قائدین ان حملوں کے لیے نظریاتی اور مذہبی جواز حاصل کرتے ہیں اور پھر ایسے رضا کاروں کو مخصوص اہداف اور مقاصد ذہن میں رکھتے ہوئے بھرتی کرتے ہیں جو اپنے آپ کو وقف کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ۱۹۸۳ء اور ۱۹۸۵ء کے درمیان حزب اللہ کی شدید کارروائیاں، ۹۶-۱۹۹۴ء

میں حماس ،اور ۹۹ - ۱۹۹۵ء میں کردستان ورکرز پارٹی (پی کے کے) کی کارروائیاں اس ذیل میں شمار کی جاسکتی ہیں۔ابھی حال ہی میں چیچن باغیوں[مجاہدین] نے روسی فوج کے ساتھ نو ماہ کی بے نتیجہ لڑائی کے بعد اچانک خودکش بم دھماکوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

ایسی مثالوں میں خودکش دہشت گردی کو کسی باقاعدہ نظم کے تحت انجام نہیں دیا جاتا بلکہ عارضی اور مشروط بنیاد پر کیا جاتا ہے۔قائدین کسی شدید بحران کے وقت فوری نتائج حاصل کرنے کے لیے اسے اختیار کر لیتے ہیں اور بیک وقت یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کی لاگت میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو رہا ہے نیز اس کا کوئی مضبوط جواز بھی موجود نہیں ہے اور بالآخر انہیں اس جنگی حکمت عملی کو تبدیل کرنا یا سرے سے ختم کرنا ہے۔حزب اللہ نے جب ۱۹۸۳ء میں خودکش حملوں کا فیصلہ کیا تو اس کے کئی قائدین اس عمل کے سخت مخالف تھے۔ان کا اصرار تھا کہ اسلام مسلمانوں کو خود اپنے جان کو ہلاک کرنے (خودکشی) کی اجازت نہیں دیتا۔شیخ فضل اللہ جیسے علماء نے اس کے خلاف قانونی اعتراضات کیے اور اس نئی حکمت عملی کو اختیار کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔تاہم خودکش دہشت گردی لبنان سے غیر ملکیوں کو نکالنے میں اتنی مؤثر ثابت ہوئی تھی کہ اس کو روکا نہیں گیا اور اس کے مذہبی جواز کے لیے یہ موشگافی کی گئی کہ دراصل خودکش بمبار وہ غیر معمولی مجاہد ہیں جو مقدس جنگ (جہاد) کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہیں لیکن ۱۹۸۵ء میں لبنان سے اسرائیل کے انخلا کے بعد جب اس حکمت عملی کی افادیت میں کمی آ گئی تو حزب اللہ کے ملاؤں نے منظم خودکش حملوں کی مخالفت کر دی اور مجاہدین کو اپنی زندگیوں کی حفاظت کرتے ہوئے یہودیت کے خلاف روایتی گوریلا جنگ جاری رکھنے کی ہدایت کر دی گئی۔

یہ واضح نہیں کہ حماس کے کمانڈروں نے کب اسرائیل کے خلاف خودکش حملوں کو امن کے عمل کو سبوتاژ کرنے کی حکمت عملی کے طور پر اختیار کیا۔انہوں نے ۱۹۹۲ء میں اسرائیلی فوج اور آبادکاروں کے خلاف جو مہم بغیر سوچے سمجھے شروع کی تھی اس سے مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔۱۹۹۴ء میں ہیبرون میں جب ایک اسرائیلی ڈاکٹر باروچ گولڈ شٹین نے ۲۹ فلسطینیوں کو نماز کے دوران قتل کر دیا تو حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔حماس کے نوجوانوں نے اس کا بدلہ لینے کے لیے اسرائیلی شہروں میں خودکش بم دھماکے کرنے شروع کر دیے۔صرف ایک ہفتے کے اندر اندر دہشت گردی کی اس نئی لہر نے امن کے عمل میں

اسرائیلیوں کے اتحاد کو مجروح کر دیا۔ تاہم ۱۹۹۵ء میں مختلف وجوہات کے تحت ان حملوں کا سلسلہ اچانک روک دیا گیا مثلاً سخت ترین اقتصادی پابندیاں، فلسطینی اور اسرائیلی ایجنسیوں اور اداروں کا آپس میں تعاون اور دہشت گردی کے خلاف اسرائیل کے مؤثر اقدامات۔

۱۹۹۶ء میں اسرائیلی وزیراعظم شمعون پیریز نے یحییٰ ایاش (جو ''انجینئر'' کے نام سے مشہور تھا اور جس نے حماس میں کئی خودکش حملوں کی منصوبہ بندی کی تھی) کی موت کا حکم جاری کر دیا۔ ردعمل میں حماس نے اسرائیل میں دوبارہ بس دھماکوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس طرح نہ صرف امن کا عمل متاثر ہوا بلکہ ۱۹۹۶ء کے انتخابات میں پیریز کو بھی شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

حزب اللہ اور حماس کی مثالوں میں مستقل بنیاد پر خودکش دستے تشکیل نہیں دیے گئے، بلکہ اس طریقہ کار کو مشروط اور عارضی طور پر اختیار کیا گیا۔ لیکن اکا دکا تنظیمیں ایسی بھی ہیں جنہوں نے خودکش دہشت گردی کو ایک جائز اور مستقل حکمت عملی کے طور پر اختیار کیا۔ اس وقت سری لنکا کے تامل ٹائیگرز اس کی واحد مثال ہیں۔ ''بلیک ٹائیگرز'' نے ۱۹۸۷ء میں اس طرح کا پہلا حملہ کیا تھا اور اس کے بعد سے یہ ان کی جدوجہد کا ناگزیر حصہ بن چکا ہے۔ انہوں نے ان ۱۳ سالوں میں ۱۷۱ حملے کیے جن میں سینکڑوں شہری اور فوجی ہلاک ہو گئے اور ہزاروں دوسرے زخمی ہوئے۔ اعلیٰ افسران، سیاسی قائدین اور دوسر براہان مملکت کی ہلاکت سے یہ واضح ہو گیا کہ ان حملوں سے کوئی بھی سیاسی یا عوامی شخصیت محفوظ نہیں ہے۔

بلیک ٹائیگرز نے اس امر کا اہم ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ خودکش دہشت گردی محض مذہبیت کا ہی شاخسانہ نہیں ہے بلکہ مخصوص سیاسی حالات اور نفسیاتی دباؤ کے تحت لادین رضاکار بھی اس طرح کی شہادت کے مکمل طور پر اہل ہیں۔ تامل خودکش بمبار کسی مذہبی عقیدے کی پیداوار نہیں بلکہ ایک شخصیت کے اسیر ہیں جس کا نام ہے ولوپلائی پربھاکرن۔ پربھاکرن ایک سنگدل اور کرشماتی لیڈر ہیں جنہوں نے غالباً لبنان میں حزب اللہ کی کامیابیوں سے متاثر ہو کر ان کارروائیوں کا آغاز کیا۔ تامل آزادی تک غاصب و جابر سنہالی حکومت کے ساتھ جنگ کرنے کا پختہ عزم رکھتے ہوئے پربھاکرن نے زیادہ تر اپنی شخصیت کے زور پر اور تنظیم پر اپنی بے پناہ مضبوط گرفت کے ذریعے خودکش دستے تشکیل دیے۔

بلیک ٹائیگرز کی تشکیل میں تنظیم کی اس ابتدائی روایت کا بھی بڑا حصہ ہے جس کے مطابق ۱۹۸۰ء

کے اوائل سے تنظیم کے تمام گوریلوں کے لیے ضروری تھا، چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں، کہ وہ اپنے پاس پوٹاشیم سائنائیڈ کے کیپسول رکھیں اور اگر کبھی فرار کا کوئی راستہ نہ رہے تو یہ کیپسول کھا کر اپنی جان دے دیں۔

خودکش دہشت گردی سے کیسے نمٹا جائے؟

خودکش دہشت گرد کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ اکیلا اور عقل و خرد سے بے گانہ ایسا جنونی ہے جسے روکا نہیں جا سکتا۔ اور اسی تصور میں ان کی طاقت پوشیدہ ہے۔ حقیقتاً ان کی کمزوری یہ ہے کہ یہ دہشت گرد اپنے قائدین کے ہاتھوں میں ایک ہتھیار کے علاوہ کچھ نہیں۔ چنانچہ ان سے نمٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان تنظیموں کو باور کرا دیا جائے کہ ان کے اس فیصلے کی انہیں بھاری اور تکلیف دہ قیمت چکانی پڑے گی۔ اگرچہ خودکش دہشت گردی کو روکنے کا کوئی سادہ فارمولا موجود نہیں ہے لیکن گزشتہ دو دہائیوں کے تجربے سے دو مؤثر حکمت عملیاں سمجھ میں آتی ہیں۔

تنظیمیں خودکش دہشت گردی کا ارتکاب صرف اس صورت میں کرتی ہیں اگر ان کی قوم کے افراد (یا بعض صورتوں میں بیرونی مددگار ریاست) انہیں اس کی اجازت دیں۔ چنانچہ ایسی قوم پر سیاسی اور معاشی پابندیوں کا نفاذ اور متعلقہ بیرونی مددگار ریاست پر سفارتی دباؤ اور تہدید خودکش دہشت گردی کو کم کرنے یا اسے ختم کرنے میں معاون حربے ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس سیاسی حل کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ اس میں نہ صرف وقت زیادہ صرف ہوتا ہے، بلکہ نتائج بھی یقینی نہیں ہوتے۔ افغانستان کے طالبان کی مثال سامنے ہے جو بین الاقوامی پابندیوں اور امریکہ کی مخالفت اور دھمکیوں کے باوجود اسامہ بن لادن کو پناہ دیے ہوئے ہیں۔ (اسامہ بن لادن نومبر ۱۹۹۸ء میں مشرقی افریقہ میں قائم امریکی ایمبیسیوں میں بم دھماکوں کی وجہ سے امریکہ کو مطلوب ہے)۔

جو تنظیمیں خودکش دہشت گردی میں ملوث ہوتی ہیں وہ اس معاملے میں پہلے ہی کافی خطرہ مول لے چکی ہوتی ہیں، چنانچہ ان کے خلاف سیاسی جنگ کے ساتھ ساتھ دہشت گردی کی روک تھام کی عملی مہم بھی بھرپور انداز میں جاری رہنی چاہیے۔

خودکش دہشت گردوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ ایک طویل تنظیمی ڈھانچے کا ایک

حصہ ہیں۔ ایسی تنظیموں کے کمانڈروں اور ان حملوں کے منصوبہ سازوں کو خاص طور پر ہدف بنانے کی ضرورت ہے۔ ایسی کوششوں کے لیے بین الاقوامی انٹیلی جنس ایجنسیوں کو اطلاعات کی فراہمی اور جاسوسی کا ایک موثر نیٹ ورک قائم کرنا ہوگا جو ایک دوسرے کا معاون ہو اور ان دہشت گردوں اور ان کے معاونین اور ان کے تنظیمی ڈھانچوں اور ان کے وسائل کا سراغ لگا کر ان کو معطل کرنے اور ان کی سپلائی لائن کو کاٹنے کی کوشش کریں۔

حساس مقامات پر، جہاں ان حملوں کے امکانات ہوں، حفاظتی حصار زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانا چاہیے۔ اس کے لیے مضبوط رکاوٹیں کھڑی ہو سکتی ہیں، چیک پوائنٹس قائم ہو سکتے ہیں۔ عوامی مقامات پر انسپکشن ٹیمیں مسلسل نظر رکھیں اور اس مقصد کے لیے کتے اور سائنسی آلات استعمال کیے جائیں۔ ان رکاوٹوں کے ذریعے خودکش دہشت گردی کے امکانات کو کم سے کم کیا جا سکتا ہے۔ ان حفاظتی اقدامات سے عوام میں بھی اعتماد پیدا کیا جا سکتا ہے۔ حکومتوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس جنگ کا ایک پہلو نفسیاتی بھی ہے جو عوام کے ذہنوں پر نہایت برے اثرات مرتب کر سکتا ہے۔ اگر حکومت کے پاس خودکش دہشت گردی کا کوئی فوری حل نہ بھی ہو تو انہیں شہریوں کو اپنی بھرپور کوششوں کا یقین ضرور دلانا چاہیے۔ عام لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس دہشت گردی کے ذریعے ان کے خلاف ایک نفسیاتی جنگ لڑی جا رہی ہے اس طرح وہ اس کے خلاف اپنے اندر ذہنی اور نفسیاتی طور پر مضبوطی پیدا کر لیں گے۔

خودکش دہشت گردوں کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ وہ سب کچھ کرنے اور سب کچھ کھونے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ یہ تصور کہ یہ دہشت گرد ناقابل شکست جنونی ہیں جو محض خوف اور انتشار پیدا کرنے کے لیے لاکھوں لوگوں کو بلا امتیاز قتل کرنے پر آمادہ رہتے ہیں درست نہیں۔ درحقیقت وہ سرد مہر باشعور قاتل ہیں جو مخصوص سیاسی مقاصد کے لیے تشدد کا حربہ استعمال کرتے ہیں۔

اگرچہ بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں سے دہشت گردی کے بارے میں کسی حد تک مبالغہ آمیز خدشات کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن خودکش بمباری دہشت گردی کی ایک تباہ کن شکل کے طور پر موجود ہے۔ اکیسویں صدی میں اس کا مکمل خاتمہ مشکل ہے۔ مشرقِ وسطیٰ، روس اور ایشیا بشمول ایران، افغانستان، چیچنیا اور ممکنہ طور پر بھارت اور پاکستان میں موجود سیاسی عدم استحکام ان علاقوں کے بے حد

حساس (اور خطرناک) ہونے کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیا کے دیگر حصوں میں بھی کبھی کبھار خودکش بم دھماکے ہوتے رہتے ہیں، لیکن جوں جوں دہشت گرد تنظیموں کے لیے خودکش دہشت گردی کی قیمت میں اضافہ ہو رہا ہے اور دنیا بھر میں انٹیلی جنس ایجنسیوں میں تعاون بڑھ رہا ہے اس امید کو تقویت ملتی ہے کہ آئندہ صرف بالکل ناکام اور مایوس تنظیمیں ہی اس حربے کو منظم بنیاد پر استعمال کریں گی۔

[ایہود سپرنز اسرائیل کے انٹرڈ سپلنری سنٹر کے لاڈر سکول آف گورنمنٹ پالیسی اور ڈپلومیسی کے ڈین ہیں]